پرچھائیوں کا جلوس

جگن ناتھ پرساد داس

Digitized by srujanika@gmail.com

۲

★

کچھ چہرے صبح کے تاروں کی طرح
اونچائی سے
میری طرف دیکھ کر ٹمٹماتے ہیں
بغیر مانگے وہ مجھ پر چھڑک دیتے ہیں
چند عنایتیں اور ہمدردیاں
جو شبنم کی طرح سرد محسوس ہوتی ہیں

★

Digitized by srujanika@gmail.com

پرچھائیوں کا جلوس

جگن ناتھ پرساد داس

ترجمہ

شاہدہ سعید

تعارف

سعید سہروردی

Digitized by srujanika@gmail.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

بار اوّل ـــــــ ۱۹۷۹ء

نام :- جگن ناتھ پرساد داس
پیدائش :- ۱۹۲۶ء
پیشہ :- سرکاری ملازمت
جوائنٹ سکریٹری (وزارت مالیات)
حکومت ہند

تصنیفات :- "پرتھم پرش" ہندی ترجمہ
:- "فرسٹ پرسن انگریزی ترجمہ
:- سانجھ ہونے سے پہلے (ڈرامہ)

کتابت :- اظہر بجنوری
طباعت :- جمال پریس - دہلی
ناشر :- مرکز معاشی ترقی - ایوان غالب مارگ - نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

Digitized by srujanika@gmail.com

ترتیب

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحات
۱	تعارف	۷
۲	تعویذ	۱۳
۳	ایک پھول کا نام	۱۷
۴	آئینہ	۲۰
۵	نقلی چہرا	۲۴
۶	پہلا پیار	۲۸
۷	لاش	۳۱
۸	انتظار	۳۳
۹	محبوبہ! تمھارے نام!	۳۶
۱۰	چوکیدار	۳۹
۱۱	وابسی	۴۲
۱۲	چوراہا	۴۵
۱۳	کمرہ	۴۸
۱۴	جیت	۵۱

Digitized by srujanika@gmail.com

۱۵	راز	۵۵
۱۶	کچھ چہرے	۵۹
۱۷	راستہ	۶۳
۱۸	شہر	۶۶
۱۹	آدھی رات کو	۶۹
۲۰	خواب	۷۳
۲۱	مورش	۷۶
۲۲	دیوی	۷۹
۲۳	پتہ	۸۰
۲۴	وہ دن	۸۶
۲۵	کھڑکی	۸۹
۲۶	آخری حدیں	۹۴

Digitized by srujanika@gmail.com

تعارف

اس شہر کو پہچاننا اب مشکل ہے
اس کا روپ نیا ہے
سڑکوں کے نام نئے ہیں
پرانے مکان نیلام ہو چکے ہیں
پتے بدل چکے ہیں
پرانے چہرے پہچانے نہیں جاتے۔

(شہر)

یہ اقتباس جے۔پی۔داس کی نظم 'شہر' سے ہے جس میں بدلتی ہوئی شہری زندگی کی دھڑکنوں کو صاف سنا جا سکتا ہے۔ جگن ناتھ پرساد داس کی تعلیم اور ملازمت کا بیشتر حصّہ شہروں میں گذرا ہے۔ ایک ذمّہ دار افسر کی حیثیت سے انھوں نے اس زندگی کو قریب سے دیکھا اور پہچانا ہے' اور اس کے اُلجھے ہوئے رشتوں کو ایک ایک کر کے الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان اُلجھے ہوئے دھاگوں کو سلجھانے میں بعض رگیں ٹوٹی ہیں' بعض زخموں

Digitized by srujanika@gmail.com

کے سوئے ہوئے درد اُبھر آئے ہیں، اس کرب کو انھوں نے شعری پیکر دیا ہے۔ شہری زندگی کے ڈرامے میں جے۔ پی۔ داس تماشائی، اداکار اور مصنّف، تینوں رول ادا کرتے ہیں۔ اس آزمائش سے گذرنے کے بعد انھوں نے دوسروں کو بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کے لیے دیا ہے۔

جگن ناتھ پرساد داس جو جے۔ پی۔ کے نام سے جانے جاتے ہیں ان خوش نصیب افسروں میں سے ہیں جنھوں نے فائلوں کی گرد میں میں اپنی تخلیقی صلاحیت گم نہیں کی ہے، انھوں نے اپنے دَور کے مسائل، اس کی کشمکش اور ان کی سلسلہ درسلسلہ آویزشوں سے اپنی شاعری کے لیے موضوعات حاصل کیے ہیں۔

میں 'اڑیہ' زبان اور اس کے 'ادب' سے واقف نہیں ہوں لیکن جب میں نے جے۔ پی۔ داس کی نظموں کو پڑھا تو انھیں اپنی دھڑکنوں کے بہت قریب پایا۔ ترجمہ میں زبان کے تیور تو منتقل نہیں ہو سکتے۔ لیکن موضوع اور تجربے کی گہرائیوں اور تہوں کو جانا اور پرکھا جا سکتا ہے اور اسی لیے ترجمے کی شکل میں بھی یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ جے۔ پی۔ داس کے عصری شعور نے اپنے شعری پیکر میں اپنی ذات کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس عمل میں وہ اپنی ذات سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ ان کی آپ بیتی جگ بیتی محسوس ہوتی ہے۔

Digitized by srujanika@gmail.com

لیکن آپ بیتی میں جگ بیتی پیش کرتے وقت جے۔پی۔ داس نے روایتی استعاروں سے گریز کیا ہے، اور اپنے مخصوص طرز احساس کی نزاکت اور گہرائی سے اپنا منفرد انداز پیش کیا ہے۔

شاعر کا مخصوص 'لہجہ'، 'آہنگ'، بتدریج اُبھرتا ہے۔ جیسے جیسے اس کا فن نکھرتا ہے، وہ 'استعارے'، علامت' کے انتخاب سے اپنی انفرادیت کو نمایاں کرتا ہے۔ شاعر کی انفرادیت کی تشکیل تکلیف دہ اور طویل عمل ہے۔ اس کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ شاعر کے مخصوص استعاروں اور علامتوں کے رشتہ کو سمجھ کر اس کی اَن کہی باتوں کی تہہ میں پہنچا جائے۔ 'شعر فہمی'، شعر گوئی' سے کم مشکل نہیں ہے۔ اگر اچھے اشعار کہنا مشکل ہے تو اچھے شعر کے ادراک کے لیے ذوق کی تربیت بھی آسان نہیں ہے۔

اُردو جاننے والوں کو ان کی شاعری سے متعارف کرتے وقت میں نہ اُن کا وکیل بننا چاہتا ہوں، نہ قصیدہ خواں۔ میری وکالت کی انھیں ضرورت نہیں ہے۔ اور قصیدے کی صنف کو میں ایک متروک صنف مانتا ہوں۔ اس لیے جے۔پی۔ داس کی تعریف میں رسمی جملے لکھنے سے گریز کر رہا ہوں۔ وہ موجودہ دَور کے نقلی چہروں سے بخوبی واقف ہیں۔

Digitized by srujanika@gmail.com

ایک نقلی چہرے سے دوسرے تک
میری زندگی کا سفر جاری ہے
ایک فریب سے دوسرے فریب تک
کچھ لوگ نقلی چہرے میں بھی
مجھے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں
کچھ لوگ مجھے پہچان کر بھی
انجان بنے رہتے ہیں

(نقلی چہرا)

میری ذاتی رائے میں اچھا فنکار بننے کے لیے دیانت داری اہم شرط ہے۔ جے۔ پی۔ داس کی شاعری میں خلوص ہے اور دیانت بھی۔ کچھ لوگ عصری آگہی اور عصری تقاضوں کے نام پر اپنی ذات کو دھوکا دیتے ہیں۔ اس کی سزا انھیں یہ ملتی ہے کہ ان کا فن تلاشِ حیات بننے کے بجائے چشمۂ ظلمت بن جاتا ہے۔

جے۔ پی۔ داس کی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ذات اور اپنے محسوسات کو بے نقاب کرنے میں تکلّف اور رعایت سے کام نہیں لیا ہے۔

ترجمے میں بھی ان کے دردمند دل کی آواز صاف سنائی دے گی۔

Digitized by srujanika@gmail.com

شہر ایک شمشان بن چکا ہے
صندوق میں مُردوں کے ڈھانچے ہیں
آؤ ! ناآسودہ رُوحوں کی نجات کے لیے
مل کر پرارتھنا کریں

(آخری حدیں)

ناآسودہ رُوحوں کی نجات کے لیے دعا کے ساتھ مجبوری
کا یہ احساس بھی ملتا ہے
تجربے کھو جاتے ہیں
چہرے غائب ہو جاتے ہیں۔
صرف درد رہ جاتا ہے

(کچھ چہرے)

وہ یہ دیکھتے ہیں :-
چُپ چاپ قدم اٹھاتے ہوئے
سرگوشیاں کرتے ہوئے
پرچھائیوں کے جلوس گذر جاتے ہیں

(چوکیدار)

Digitized by srujanika@gmail.com

جے۔ پی۔ داس کی شاعری ، پرچھائیوں کا جلوس ، ہے۔ جس میں ہمیں اپنی اور اپنے معاصرین کی پرچھائیاں مل جائیں گی۔

سعید سہروردی

ایوانِ غالب
نئی دہلی
۲۶ جولائی ۱۹۷۹ء

Digitized by srujanika@gmail.com

تعویذ

کبھی کبھی خواہش ہوتی ہے
کہ میری زندگی جس دائرے کا مرکز ہے
اس سے باہر نکل کر دیکھوں
اس کے باہر دنیا کیسی ہے ؟
یہ ارادہ کرکے میں اپنے مخصوص دائرے سے
باہر نکل جاتا ہوں
کار کا دروازہ کھول کر
باہر آتا ہوں اور محتاط قدم اٹھاتا ہوں

عجیب سرزمین ہے
خلا ، وسیع خلا
میری حیات کی ناکام دوپہر کی طرح
آسمان میں سائے تیرتے ہیں
اپنے طے شدہ راستوں پر
چاند اور سورج کی طرح
وقت سمٹ کر ایک لمحہ بن جاتا ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

میں نے نئے انداز سے دیکھا
کیا فرق ہے ۔
صبح اور شام میں ؟
محبّت اور فراموشی میں ؟
نظّارے اور وجود میں ؟
میں نے
مختلف روشنیاں دیکھیں
جنھوں نے
مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا
مجھ پر سرخ ، نارنجی رنگ پڑے
کالی پرچھائیاں
جو مختلف جگہوں کو گھیرے ہوئے تھیں
خلا میں کھو گئیں

پہلی بار میں نے اپنی ذات سے سوال کیا
میں کون ہوں ؟
میرا راستہ کدھر جاتا ہے ؟
یہ زینہ اوپر جاتا ہے یا نیچے ؟

Digitized by srujanika@gmail.com

گواہ کون ہے ؟ تاج کہاں ہے ؟
میں نے سمجھنے کی کوشش کی
آسمان میں تارے، خاموشی میں،
کیا سرگوشیاں کرتے ہیں ؟
ہوا کے ہاتھ کی لکیروں کا،
کیا مفہوم ہے ؟
سمندر کی ریت کی تصویری تحریروں کا
کیا پیغام ہے ؟
میرے جسم کے اندر،
جو پرندہ چیختا ہے،
وہ کیا کہہ رہا ہے ؟

بنجر خالی جگہیں،
سکونت کی تلاش میں
میرے وجود کے اندر آئیں
میرا ذہن ابدی خلا سے پُر ہو گیا۔
میرے سائے اور زیادہ لمبے ہو گئے
وہ آسیب نہیں تھے۔

Digitized by srujanika@gmail.com

لیکن میں ان سے ڈر گیا
سہم کر، محتاط قدموں سے
اُلٹے پاؤں واپس آ گیا
کار کا دروازہ بند کر لیا
شیشے اور فولاد کی دیوار کھڑی کر کے
میں نے چھٹکارا پا لیا ۔
آسمان، ہوا، سمندر کی ریت
اور بہت سے سوالات سے !

پھر میں تعویذ تلاش کرنے لگا
اخباروں، سگریٹ کے ڈبوں اور ریزگاری میں !

Digitized by srujanika@gmail.com

ایک پھول کا نام

میرے کوٹ کے پھول مرجھا گئے
اَن گِنت کاغذ کے پھول
پتّوں کی طرح اڑ گئے
افق پر قطار در قطار
بے نام پرندے ہوا کے آنچل میں چھُپ گئے
میں انھیں باندھ کر نہ رکھ سکا

میرے دوست ۔ لڑکے، لڑکیاں
اور خیر خواہ آئے
وہ تماشائی تھے، دوست نہیں
ان کے قہقہے بناوٹی تھے
انھوں نے منتر پڑھ کر سنائے
اور عقل کے موتی میرے تعویذ میں باندھ دیئے
مجھے توبہ استغفار کرتا ہوا
چھوڑ کر وہ رخصت ہو گئے

Digitized by srujanika@gmail.com

آسمان کے بستر پر
انھوں نے مجھے الوداع کہا
بیمار دھوپ سو گئی
میں نے تعویذ کھول کر کنارے رکھ دیا
اپنی نیم مُردہ جوانی کو
جسم کے پھانسی کے تختے سے اتار لایا

میں نے انھیں شام کی خنکی میں تلاش کیا
وہ سب میرے روشنی کے مینار ہیں
ورنہ میرے چاروں طرف
سمندر کی لہریں ہوتیں
اور مرے تھکے ہوئے جسم کی پناہ
بکھر جاتی

آج کی اداس شام کو
میں سوچتا ہوں
بغیر اپنے وعدے پورے کیے
شاید میں مر جاؤں گا
•

Digitized by srujanika@gmail.com

۱۹

میں کسی پھول کا نام سوچتا ہوں
ایک بھی نہیں ہے
نہ میرا کوئی خیرخواہ ہے
تعویذ بھی کھو گیا
میں تلاش کرتا ہوں
ان چہروں کو
جن کو اتفاقاً کہیں دیکھا تھا
اپنے تجربوں کو
اپنی محبوب طوائفوں کو
جسم، سڑک اور بستر کی
اپنی مخصوص سلطنت کو
میں سوچتا ہوں
میں ایک اور زندگی جی سکوں گا
ان کے جسموں کی حرارت میں!

شاید کوئی پھول بھی کھِل جائے!

Digitized by srujanika@gmail.com

آئینہ

نیم وا دریچے سے گزر کر
سورج اکثر مجھے چھو لیتا ہے ۔
نیم بیداری کے آخری پہر میں
خواب پریشاں ہو جاتے ہیں
میں آنکھیں کھول کر دیکھتا ہوں
معلوم نہیں کس کا بستر ہے ؟
میں کہاں، کس طرح سو گیا ؟
اس اَن جانے کمرے میں ،
میرے پاس لیٹی ہوئی
اجنبی عورت کون ہے ؟

میں اپنی گردن میں حمائل
ننگی باہوں کی قید سے
خود کو آزاد کر لیتا ہوں
اس جسم کے بھرپور جذبات کی
گرفت سے نکل جاتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

میں اسے پہچاننے کی کوشش کرتا ہوں
کیا وہ میری جیون ساتھی ہے ؟
یا اس رات کے لئے
اتفاق سے میری ہم بستر ہوئی
میں اس کے جسم کا مفہوم
سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں
کیا وہ مجسّم جذبہ اور طلب ہے ؟
یا میرے مریض دماغ کی کمزوری ہے

دروازہ کھول کر میں باہر آتا ہوں
میرے سامنے
اجنبی راستوں کی بھول بھلیّاں ہے ؟
میں ان سڑکوں کو نہیں جانتا
جن پر صبح کی دھوپ پھیل چکی ہے ؟
اس شہر کی کوئی پہچان نہیں
بے مقصد شور اور مصروفیت
بازاروں میں ہجوم
اَن گِنت لوگوں کی بِھیڑ

Digitized by srujanika@gmail.com

بہت سے دریچے کھُل جاتے ہیں
لیکن ان کے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے
سب اجنبی ہیں
سب نقلی چہرے لگائے ہوئے ہیں

یہ وہ ڈرامہ ہے جس میں سب
نقلی چہرے لگائے ہوئے ہیں
کیا یہ سب اداکاری ہے ؟
یا آخری منظر کے بعد
پردہ گرنے سے پہلے
تماشائیوں کے سامنے
اداکار خود کو پیش کر رہے ہیں

میں اپنے کمرے کی پناہ میں
لوٹ آتا ہوں
آئینے میں اپنا چہرا دیکھتا ہوں
یہ بھی اک نقلی چہرا ؟
میں اطمینان کی سانس لیتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوں
لوگوں کا ہجوم ، شور
تماشائیوں کے انبوہ
اپنے بستر اور اس کی آغوش کی
محفوظ پناہ میں
یہ انکشاف ہوتا ہے
ان کی آوازیں
میرے الفاظ کی بازگشت میں
ہم سب آدمی ایک جیسے ہیں

Digitized by srujanika@gmail.com

نقلی چہرا

میرے پاس کئی نقلی چہرے ہیں
دن ، رات اور شام کے لیے
عارضی مسرّت کے لیے
المیہ ڈرامے کے آخری منظر کے لیے
مہمانوں اور ہم سفروں کے لیے
وقتی محبوبہ اور اس کے شوہر کے لیے
راجا ، سپاہی ، طوائف اور جادوگر کے لیے
جنازے اور جلوس کے لیے
ویران آسمان
اور حیرت کی صبح کے لیے
عشق ، فریب اور دفاع کے لیے
زندگی کے ہر مرحلے پر
پلک جھپکتے ہی
میں مختلف نقلی چہرے لگا لیتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

مجھے اس نقلی چہرے کی تلاش تھی
جس کی آنکھوں کے ہلکے نیلے رنگ کو دیکھ کر
ساری کنواریاں مسحور ہو جائیں
میرے رعب دار ہونٹوں کی ہلکی جنبش سے
دشمن ہار مان لیں
صرف ایک نظر سے
آسمان کے سارے پرندے
میرے پنجرے میں آجائیں !
میں کہوں ـــــ "رات !"
اور سورج ڈوب جائے !

ایسا نقلی چہرا نہ مل سکا !
میرے پاس جو نقلی چہرے ہیں
وہ معمولی ہیں ۔ محض چونکا دیتے ہیں
اور پیدا کرتے ہیں
سطحی ہنسی، بناوٹی قہقہے، گھمنڈ
بے اثر غصّہ اور انتہائی کمزور فریادیں
میرا نقلی چہرا ہے
کمزور محبّت اور بہت ہلکے رنج کا !

Digitized by srujanika@gmail.com

یہ نقلی چہرا لگا کر
میں مہمانوں کا خیر مقدم کرتا ہوں
منتر پڑھتا ہوں
اپنی بیوی اور محبوبہ سے اظہار عشق کرتا ہوں
اکثر آسمان سے باتیں کرتا ہوں
تاروں کی طرف دیکھتا ہوں
اور لوگوں کی بِھیڑ میں کھو جاتا ہوں

ایک نقلی چہرے سے دوسرے تک
میری زندگی کا سفر جاری ہے۔
ایک فریب سے دوسرے تک!
کچھ لوگ نقلی چہرے میں بھی
مجھے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں
کچھ لوگ مجھے پہچان کر بھی
انجان بنے رہتے ہیں
اکثر مجھے احساس ہوتا ہے
میری شناخت گم ہو گئی ہے
میں اپنا چہرا دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

دیکھتا ہوں
دیواروں پر لگے ہوئے
قطار در قطار نقلی چہرے
ان کے علاوہ اِدھر اُدھر
شیشے کے ٹکڑے ہیں
مگر آئینے سے سوال پوچھنا بیکار ہے!

Digitized by srujanika@gmail.com

پہلا پیار

فراموشی کے کہرے سے
جانے پہچانے بھولے بسرے چہرے
تیرتے ہوئے میرے پاس آکر
جمع ہوتے ہیں
پھر کسی بے رحم جادوگر کے حکم سے
وہ سب پتھرا گئے
اور انھوں نے مجھے اپنی باہوں میں
قید کرلیا۔

مجھے حیرت ہے
میرے شباب کا پہلا دور
کس طرح گزر گیا ؟
کچھ وقت گزر گیا
مہمل باتوں میں

Digitized by srujanika@gmail.com

پیچیدہ الفاظ کو سمجھنے کی کوشش میں
مصالحت میں
ہاتھ میں ہاتھ لیے کر خواب دیکھنے میں
کچھ سسکیوں اور کچھ قہقہوں میں
چند لمحے خاموشی اور غلط فہمی کے
"میری قدر کرو نہیں تو ....." ؟
چوری چوری نگاہوں کی دعوتیں
ہاتھوں کے اشاروں کی دھمکیاں
کچھ وقت گزر گیا
بلوغ کو سمجھنے کی بےسود کوشش میں !

آج میں حساب لگانا چاہتا ہوں
کس طرح میری زندگی بے معنی ہوگئی
بےسود دلوں اور مضطرب راتوں میں ؟
دو آئینوں کے درمیان
کیسے میں اپنی شناخت کھو بیٹھا ؟
میرے اپنے عکس نے
کیسے مجھے مسحور کر لیا ؟

Digitized by srujanika@gmail.com

میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی
کیسے وقت کے ایرکنڈیشنڈ کمرے میں
میں جاڑے کی نیند سو گیا ؟

آج مندر کے آنگن میں
میں منتر پڑھتا ہوں
میرے چاروں طرف
پتھرائے ہوئے خاموش، بیجان چہرے ہیں
کاش ! صرف ایک بار
یہ میرے خوابوں میں زندہ ہو سکیں !

Digitized by srujanika@gmail.com

لاش

سڑک کے درمیان
کسی کی لاش پڑی ہے
دوسری طرف لوگوں کی بھیڑ جمع ہے
کچھ لوگ پاس سے گزر گئے
کچھ نے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا
کچھ لوگوں کے قدم رک گئے
کچھ لوگ خاموش رہ گئے

کوئی اس راہ سے
منتر پڑھتا ہوا گزر گیا
یہ کس کا بچّہ تھا،
جس نے پھول توڑا ؟
کس نے قہقہہ لگایا
کس نے ہاتھ پھیلا کر
وقت کو روکنے کی کوشش کی
سنسان سڑک پر
کسی کی چیخ گم ہوگئی

Digitized by srujanika@gmail.com

روشنیوں کے سیلاب میں
کوئی سڑک پر غائب ہو گیا
گہری آہ کے ساتھ
کسی نے اپنے خواب جلا دیئے
کوئی 'اف' کر کے رہ گیا
کسی نے شمع سے
زندگی کا تصوّر لیا
کسی نے دھندلکے میں
اپنا راستہ تلاش کیا

سب چلے گئے
سڑک سنسان ہو گئی
قہقہے ابدی خلا میں گم ہو گئے
سڑک کے درمیان
ایک لاش بدستور پڑی ہے

اور میں یک سنسان جزیرے میں سو رہا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

انتظار

اب وہ میرے کمرے میں نہیں آتیں
چوری چوری دھندلکے میں کھڑکی پار کر کے
ان کی مسکراہٹیں
میرے کمرے میں کہکشاں کا
کچھ حصّہ لے آتی تھیں
اب وہ کمرے میں نہیں آتیں
تھکے ہوئے قدموں سے
ان کے ساتھ بھولے بسرے گیتوں کی
لہریں بھی نہیں آتیں
صبح کے پرندوں کی طرح
نہ وہ خفیہ خطوط لاتی ہیں !

تجربے سے محروم ہو کر
آدمی تاریکی کو سمجھ سکتا ہے
اداسیاں جمع ہو کر
محبوبہ کا چہرا بن جاتی ہیں !

Digitized by srujanika@gmail.com

آدمی انھیں برداشت کر سکتا ہے !
آدمی کئی زندگیاں جی سکتا ہے !
ہر محبت کا حساب لگایا جا سکتا ہے !
لیکن خالی کمرے میں
وقت کو کیسے بند کیا جائے ؟

جب صبح کے تارے سو گئے
تو سائے بھی رخصت ہو گئے
نیلی آنکھوں ، نرم ہاتھوں
اور اُلجھے ہوئے بالوں کے بستر پر
لڑکیاں آرام سے لیٹ کر
خواب دیکھنے لگیں
شاید وہ چوکنے سنتریوں کے
پہرے کو توڑ کر
قلعے میں داخل ہونے سے ڈرتی تھیں
اور اسی لیے خواب دیکھنا پسند کرتی تھیں
لیکن ایسے خواب دیکھنے سے کیا حاصل ؟
تنہا طوفانوں کی طرح جینے سے کیا ملے گا
اگر سنسان راہ پر سننے والا کوئی نہ ہو ؟

Digitized by srujanika@gmail.com

۳۵

میں سوچتا ہوں
میری زندگی کچھ مختلف ہوتی
اگر میرا بے کیف ماضی
اور کمزور مستقبل
دونوں کا رنگ ایک ہوتا
اس رنگ کو
اپنی آنکھوں میں بسا کر
اپنے بیکار لمحوں میں
مختلف خواب دیکھتا !

جب جو کتنے سنہری سو جائیں گے
تو لڑکیاں مسکراتی ہوئی ضرور آئیں گی ! .

Digitized by srujanika@gmail.com

محبوبہ! تمھارے نام

میری محبوبہ! میں تمھارے لیے چھوڑ جاؤں گا
اپنی ساری عمر کی
محبّت اور محرومیوں کا حساب
وہ خطوط جو مایوسی کے عالم میں لکھے گئے
وہ باتیں جن کی بازگشت ہوا میں کھو گئی
اور وہ گزرے ہوئے دن
جنھیں میں مٹھی میں نہ بند کر سکا!

میری آنکھوں میں دیکھو!
فراموشی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ
جب یادوں کے بھنور
گھوم گھوم کر تھک جائیں گے
تم میری آنکھوں کے آئینے میں
اپنی صورت دیکھو گی
میرا ہاتھ چھو لو!

Digitized by srujanika@gmail.com

ساری آگ جلتے جلتے بجھ جائے گی
صرف تمھارے جسم کی گرمی باقی رہ جائے گی
مجھے سنبھال لو، اپنی باہوں میں!
اگر سارے خواب ختم ہو گئے
تو تم اکیلی رہ جاؤ گی!

دیکھو! صبح تمھارے لیے روشن ہے
آسمان میں قدموں کے نشان مٹ گئے
تھکی ہوئی رات ابدی خلا میں سو گئی
سب پرچھائیاں رخصت ہو گئیں
پتھرائی اہلیہ[۵] بدستور ساکت ہے
راجکمار بن باس کو چلا گیا۔

وقت کی بھربھری ریت پر
سنبھل کر چلنا ہوا

---

۵ اہلیہ:۔ رامائن کا وہ کردار جسے بد دعا سے پتھر بنا دیا گیا تھا۔ جب رام چندر کا پاؤں اس پر پڑا تو وہ زندہ ہو گئی۔

Digitized by srujanika@gmail.com

میرا حافظہ

گزرے ہوئے لمحوں کے
ٹوٹے ہوئے کھلونے ،
اور قربت کی راتوں کی نشانیاں
تلاش کرتا ہے
میں اپنا سب کچھ تمھیں دے جاؤں گا
اگر ایک بار مجھے مل جائے
کامیاب محبّت
جو میری ساری زندگی ہوگی !

Digitized by srujanika@gmail.com

چوکیدار

میں اسے دن رات دیکھتا ہوں
چوبیس گھنٹے
میں اسے دیکھتا ہوں
اپنے جسم کے چاروں طرف
سیاہ سفید لکیریں کھینچتا ہوا
میں جمع کرتا ہوں
موسم، تجربے اور بیقرار برساتیں
جاتی ہوئی بہار کے تمام لمحے
مضبوط ارادے کے ساتھ
بغیر پلکیں جھپکائے
چاقو ہاتھ میں لیکر
شبہات کے سکوت کے عالم میں
میں بیقراری کے ساتھ نظریں دوڑاتا ہوں

اچانک طوفان آجاتا ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

بادلوں کے رتھوں میں جُتنے ہوئے
کالے سفید گھوڑے بے قابو ہو جاتے ہیں
طوفان کے پَر
آسمان کے جادو کو توڑ دیتے ہیں !
کم ہوتی ہوئی روشنی
جنگل میں بکھر کر کھو جاتی ہے
کوئی سیاہ نقلی چہرا لگا کر
آسمان کو چُھپا دیتا ہے
میں دو آنکھیں دیکھتا ہوں !
یہ کس کی آنکھیں ہیں ؟
یہ کس کے قدموں کی آوازیں ہیں ؟
آسمان کہاں ہے ؟
بادل کون سا ہے ؟
میں طوفان کی بازگشت سُن کر
بیچین ہو جاتا ہوں
میں اپنی آنکھوں کی برچھیوں سے
تاریکی کا طلسم چیر دیتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

تاریکی کی فریاد
رہ رہ کر سنائی دیتی ہے
قدیم مخلوقات کی مسلسل چیخیں
فاصلے سے سنائی دیتی ہیں
دیودار کے درخت لمبی لمبی سانسیں لیتے ہیں
چپ چاپ قدم اٹھاتے ہوئے
سرگوشیاں کرتے ہوئے
پرچھائیوں کے جلوس گزر جاتے ہیں

میں چوکنّا ہو جاتا ہوں
لاش کے چاروں طرف
لکیریں کھینچ دیتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

واپسی

گھر سے نکلتے وقت میں نے سوچا تھا
میں حاصل کروں گا
پہلے آسمان سے کچھ رنگ اور روشنی
سورج سے تھوڑی گرمی
بادل سے گرج
جنگلوں سے رومان
اور خلا سے تجربہ !

جب یہ نہ مل سکے تو میں نے سوچا
میں حاصل کروں گا
آسمان سے امید
سورج سے وعدہ
بادلوں سے خواب
خلا سے حیرت
اور ہوا سے زادِ راہ !

Digitized by srujanika@gmail.com

مجھے راستہ نہ مل سکا
لاچار واپس ہوتے ہوئے
بیٹھ کر سوچتا ہوں
تقدیر کی ناانصافی کے بارے میں
ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر
میں فاصلہ ناپتا ہوں
ایک محرومی سے دوسری محرومی کا !

زندگی کے محدود منصوبے میں
سورج اور آسمان کی جگہ نہیں
استعارے، مفہوم، راہیں اور زادِ راہ
سب ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے ہیں
وقت اور عمر کے ساتھ
مصالحتوں کا شمار نہیں
زندگی نے آسان راستے تلاش کر لیے
جدّ وجہد اور شکست کے لمحے فراموش ہو چکے !

Digitized by srujanika@gmail.com

اب بھی جب شام کے دھندلکے میں
پُرانی خواہشیں میری طرف دیکھ کر اکثر
پلکیں جھپکاتی ہیں
میں اور میرا پالتو کتّا
دونوں گھر لوٹ آتے ہیں
کسی تاریک راز کی طرح !
اطمینان کی سانس لیکر
میں گھر کا دروازہ کھولتا ہوں
میرا کتّا جماہی لیتا ہے
اور سر ہلا کر
میری 'ہاں' میں 'ہاں' ملاتا ہے ۔

Digitized by srujanika@gmail.com

چوراہا

اس نے مجھ سے کہا۔ 'ہاں'
یہی ہے صحیح راستہ
قریب کے شہر کو جانے کا
یہی ہے صحیح راستہ!
کچھ فاصلے پر ایک مندر ملے گا
جس کا کلس ٹوٹا ہوگا!
کبھی کبھی کاتک[1] اور اگہن[2] میں
دس مہینے کے وقفہ سے
وہاں بھیڑ جمع ہوتی ہے
پروہت پوجا پاٹ کرتے ہیں
تم یاتری نہیں ہو۔
اور یہ ماگھ کا مہینہ ہے۔
اس لئے وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں

---

۱ و ۲ مہینوں کے نام۔

Digitized by srujanika@gmail.com

آگے برگد کا درخت ملے گا
اس پر چندن اور سندور کے داغ ہوں گے
تمھیں شاید یہ گمان ہو
کہ وہ مندر ہے
لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے
وہ بالکل معمولی پیڑ ہے
شام کو کچھ دیر کے لئے
پرندے وہاں آتے ہیں
سورج ڈوبنے سے پہلے
اس سڑک کے جنوب میں چلے جانا !
وہاں ایک شمشان ملے گا
وہ عام آدمیوں کا شمشان ہے
وہاں نہ کوئی بریت ہے نہ آسیب
نہ کوئی آگ اُگلنے والی ڈائن !
تم اجنبی ہو
اس لئے ان چیزوں کی طرف مت دیکھنا
سیدھے اس راستے پر چلتے چلتے
بائیں طرف

Digitized by srujanika@gmail.com

تمھیں ایک چوراہا ملے گا
وہاں پہنچ کر تمھیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں
چاہو تو آرام بھی کر سکتے ہو۔
چار سڑکوں کے نام وہاں لکھے ہیں
اسی چوک سے وہ سڑک ملے گی
جو سیدھی تمھارے شہر کو جاتی ہے!

اس راہ پر کچھ دُور چلنے کے بعد
یہ معلوم ہوا
کہ یا اس نے جان بوجھ کر مجھے بھٹکا دیا
یا نادانستہ طور پر غلط راستہ بتا دیا
تب یہ خیال میرے دل میں آیا
اگر غلطی سے کسی اور شہر میں جا نکلا
تو کون سا بڑا نقصان ہوگا؟
شاید میں جانتا ہی نہیں
میری منزل کیا ہے؟
یا شاید میں ڈھونڈھ رہا تھا
راستہ شہر کے بجائے چوراہے کا؟

Digitized by srujanika@gmail.com

کمرہ

میری خواب گاہ
لاکھ[1] کے گھر کی طرح ہے
جہاں بے شمار خواہشوں کی آگ
دھک دھک، جلتی بجھتی، جلتی بجھتی رہتی ہے
اِس کمرے میں کوئی دیوار نہیں
یہاں کتابی ہیروئنیں اصلی عورتیں بن کر
کبھی نہ ختم ہونے والے جلوس کی شکل میں
آتی جاتی رہتی ہیں
فحش کتابوں کے غیر حقیقی رومان
اس کمرے میں زندہ ہوجاتے ہیں
کئی جسموں کی تصویریں
عجیب انداز اور آسن اختیار کرکے
چھت سے لٹک کر جھولتی ہیں۔

---

[1] لاکھ۔ چپڑا۔ شیلاک۔ کیڑوں کا تیار کیا ہوا وہ مسالہ جس میں بہت جلد آگ لگ جاتی ہے۔

Digitized by srujanika@gmail.com

سیاہ پُراسرار لڑکیاں
میرے پاس بیٹھ کر
سرگوشیوں میں اپنے دل کی بات کہتی ہیں
انھوں نے سُن رکھا ہے
اس طرح انھیں مسرّت مل جائے گی !
پھر رات آجاتی ہے
جب آسمان کے بستر پر
چاند سو جاتا ہے
اِس کی آگ کی گرمی سے
میرا کمرہ بھر جاتا ہے
اپنے بستر پر
خود کو سلطان تصوّر کرکے
ایک بار پھر میں سو جاتا ہوں

کبھی کبھی جسم کی رات میں
میری خود اعتمادی پر
خوابوں کی بجلیاں گرتی ہیں
اپنے جسم کی صلاحیت کے بارے میں

Digitized by srujanika@gmail.com

مجھے شک ہوتا ہے
اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات کی بدولت
میں قسطوں میں مرتا ہوں
میرے بستر کی بے داغ سفیدی
مجھے دیکھ کر ہنستی ہے
ماضی کی تمام محرومیاں
مجھے پریشان کرتی ہیں
میرا گھر مجھے ڈراتا ہے
جذبات سے مغلوب ہو کر
جب میں اس کمرے سے
باہر جانے کی کوشش کرتا ہوں
تو
چہرے، جسم اور خواہشیں
دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں
اور مجھے گھیر لیتی ہیں

Digitized by srujanika@gmail.com

جیت

جو لوگ میرے گھر آئے تھے
ان میں سے کچھ
وہ عجیب دوپہر دیکھ کر چونک گئے
اچانک ہوا نے پتنگ کی ڈور
اور ان کے احساسات کے دھاگے
توڑ دیے
دوپہر پرچھائیں کی طرح سکڑ کر
مشت غبار بن گئی
یادیں پرندے بن کر
خلا میں اُڑ گئیں
جہاں کوئی بازگشت نہیں
دیوار کے درخت خاموش ہو گئے
مُردوں نے نئے جنم کی اُمید میں
رونا چیخنا بند کر دیا
بکھرا ہوا آسمان زرد نظر آنے لگا

Digitized by srujanika@gmail.com

یہ سب منحوس نشانیاں دیکھ کر
کچھ سہم گئے
اور کچھ اچنبھے میں آ گئے
اور انتشار کے لمحوں میں
مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے

اس دوپہر کی بےچینی میں
میں تین قطاروں کے نشان[1] کا
کھیل کھیلنے بیٹھ جاتا ہوں
اپنا مقابل اور حریف میں خود ہوں
میں ٹھیک اسی طرح اپنی ذات میں
تسکین تلاش کرتا ہوں
جس طرح اپنے جسم میں ہیجان پیدا کر کے
ہاتھوں کا سہارا لیتا ہوں
میں وقت کی ریت پر

---

[1] یہ وہ کھیل ہے جو بچے اکثر کھیلتے ہیں۔ ایک صفر ۰ کا نشان بناتا ہے۔ دوسرا ضرب × کا۔ جس کے تین نشانات ایک قطار میں پہلے ہو جاتے ہیں وہ جیت ہو جاتا ہے۔

Digitized by srujanika@gmail.com

لکیریں اور چوکور نشانات بناتا ہوں
اپنی مردانگی کی تجدید پر
ضرب کے × نشانات بنا دیتا ہوں
اور جذبات سے محروم
گزری ہوئی محبت کی یاد میں
دوسرے خانے میں صفر بنا دیتا ہوں
جب دوپہر کا سنّاٹا بڑھ جاتا ہے
میرے کھینچے ہوئے سارے نشانات
دھیرے دھیرے جمع ہو جاتے ہیں
کاش کھیل اس طرح ختم ہو جاتے
کہ نہ کوئی ہارے نہ کوئی جیتے
شاید اسی لیے میں
سارے نشانات مٹا دیتا ہوں
میں صاف صاف ہندسے لکھ دیتا ہوں
میری تحریر میں نہ کوئی ڈر ہے نہ شبہ
میں ان کا جوڑ لکھ دیتا ہوں
اگر حساب لگانے میں
صفروں کی تعداد زیادہ ہو

Digitized by srujanika@gmail.com

خاص طور پر آخر میں
میں یقینی ہار کے ڈر سے
ور اپنی حفاظت کے لیے
دھوکا دیتا ہوں
میں بعض صفر کے نشان
اور بعض ضرب کے نشان
بدل دیتا ہوں
اور بعض کو شمار کرنے میں
جان بوجھ کر غلطی کرتا ہوں
اس طرح آخر میں
قطعی طور پر اپنے آپ کو
ہرا دیتا ہوں

اس کے بعد خاموش دوپہر سے
باتیں کرتا ہوں
چاند، ستارے، بادل اور آسمان
ان سب کو بتا دیتا ہوں
کہ آج کھیل میں جیت میری ہوئی ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

راز

میرے جتنے بھی راز تھے
مجھ سے الگ ہو گئے
صبح کے دھندلکے میں کھو گئے
عدم کے زینوں سے اُتر کر
میرے محبوب روشنی کے مینار کی آخری سیڑھی سے
سمندر میں کود گئے
مجھے اکیلا چھوڑ کر!

ان میں کئی نام ہیں
اور کئی چہرے
کئی لمحے
بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں
بہت سے ہاتھوں اور ہونٹوں کے لمس
بہت سے قہقہے
کچھ اتفاقی ملاقاتیں

Digitized by srujanika@gmail.com

بہت سی صبحیں اور راتیں
اور ان گنت گہری آہیں

ان میں میرے لڑکھڑاتے ہوئے ارادے تھے
اور میری مصروف زندگی کے بہت سے لمحے
ایک انجانے چورستے پر
ایک جادوگر نے پوچھا
"تمھیں کس راہ پر جانا ہے؟ تمہاری منزل کیا ہے۔؟"
میں ششدر رہ گیا
اور میری زبان سے کوئی جواب نہ نکلا

آج میرے ذہن میں شکوک نہیں ہیں
سارے سوالات حل ہو گئے
سوالوں کے جواب مل گئے
اقلیدس کے خطوط کی طرح
راستے صاف اور واضح ہیں
کوئی چوراہا نظر نہیں آتا
جادوگر بھی غائب ہو گیا
میرا نشانہ ہے۔ نیر انداز کا چاند

Digitized by srujanika@gmail.com

اب لوگ میرے پاس آتے ہیں
میرا جسم ملتا ہے جسموں سے
ہونٹ ملتے ہیں ہونٹوں سے
دن رات ۔ باتیں اور قہقہے
گزری ہوئی باتیں دہرائی جاتی ہیں
آج جب کوئی میرے کانوں میں
سرگوشیاں کرتا ہے
ان آوازوں میں
رازداری کے انداز نہیں
میرے ذہن میں
ان کی کوئی بازگشت نہیں
اب ہونٹ صرف ہونٹ ہیں
جسم صرف جسم ہے
کوئی راز نہیں ہے
کوئی بات اب ذاتی نہیں ہے

یہ چہرے محض چہرے ہیں ۔ نقلی
ان کے نام محض نام ہیں ۔ بناوٹی

Digitized by srujanika@gmail.com

ان کی باتیں محض باتیں ہیں - اداکاری
ان کے ہونٹ اور جسم، برف اور پتھر

میں نے اپنی زندگی کے اسرار کو
قریب سے دیکھا ہے
وہ بوڑھے ہو کر مجھ سے الگ ہوئے
اور سمندر کی طرف بھاگ گئے
شاید انھیں نئے روشنی کے مینار کی تلاش ہے !

Digitized by srujanika@gmail.com

کچھ چہرے

کچھ چہرے صبح کے تاروں کی طرح
اونچائی سے
میری طرف دیکھ کر ٹمٹماتے ہیں
بغیر مانگے وہ مجھ پر چھڑک دیتے ہیں
چند عنایتیں اور ہمدردیاں
جو شبنم کی طرح سرد محسوس ہوتی ہیں

کچھ اور چہرے
رنگین غباروں کی طرح پھول کر
میرے پلنگ پر گر جاتے ہیں
وہ مجھے پکارتے ہیں
میرا مُنھ چڑاتے ہیں
اور گرمی کی تپتی ہوئی دوپہر میں
میری کھوئی ہوئی مردانگی کو
چھیڑتے ہیں

Digitized by srujanika@gmail.com

کچھ اور چہرے
اپنے نقلی چہروں سے
مجھے ڈرا دیتے ہیں
جہاں تین راہیں ملتی ہیں
وہاں خاموش راتوں میں
ہوائیں دیودار کے درختوں سے
شور مچاتی ہوئی گزرتی ہیں

کچھ اور چہرے
سادے اور قابلِ رحم
خالی خالی نظروں سے
میری آنکھوں سے پناہ طلب کرتے ہیں
اور مجھ سے پوچھتے ہیں
شمال کی محفوظ راہ کون سی ہے۔؟

بہت سے دیگر چہرے
اَن گِنت آنکھوں سے
مجھے تکتے ہیں

Digitized by srujanika@gmail.com

میرے طلسماتی مکان کی
شیشے کی دیواروں سے
ہر قسم کے چہرے
بعض جانے پہچانے
بعض بالکل اجنبی
ان چہروں کی بھیڑ میں
بعض جانے پہچانے چہرے
اجنبی معلوم ہوتے ہیں
بعض چہروں کو
میں جان بوجھ کر
پہچاننے سے انکار کر دیتا ہوں
اکثر میں مسرور و مطمئن محسوس کرتا ہوں
اکثر میں ہلکے سے مسکرا دیتا ہوں
غیر شعوری طور پر
میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو
اور تھکے ہوئے اعصاب
ان چہروں کو دھندلا دیتے ہیں
دھندلے ہو کر وہ غائب ہو جاتے ہیں

Digitized by srujanika@gmail.com

تجربے کھو جاتے ہیں
چہرے غائب ہو جاتے ہیں
صرف درد رہ جاتا ہے
اور اس کے ساتھ
تھوڑی بارش
سڑک
اور تنہائی !

Digitized by srujanika@gmail.com

راستہ

اپنے شعور کے سینے میں
جھانک کر میں نے دیکھے
بہت سے پریشانیوں کے دن
اور ادھورے تجربے
جانے، انجانے
لوگوں، چہروں اور جسموں کی طرف
میں نے توجہ نہیں کی
میں نے نوشتۂ دیوار پڑھنے کی
کوشش نہیں کی
آنکھوں کی دعوتیں
میں نے قبول نہیں کیں
پنجرے کی چڑیوں کی
چیخ کی پرواہ نہیں کی
میں نے سیدھا، آسان راستہ چن لیا
اَسّی میل کی رفتار پر

Digitized by srujanika@gmail.com

سوچتا اور گاتا رہا

میں دیکھوں گا
جھیل کے اندر
پھول اور ان کی پرچھائیاں ایک ہو جائیں گی
مندر کے دونوں دروازے کھل جائیں گے
پروہت جادوگر بن جائیں گے
سڑک پر مُردہ دھوپ کو زندگی دیں گے
خاموش سنتری گیت گائیں گے
تیسرے پہر کے رنگوں میں
پتیاں پرندے بن کر
رات کی وسعت میں کھو جائیں گی
بازگشت میرے پاس لوٹ آئے گی
میرے جسم کی رگیں
راستہ بن جائیں گی

اس راستے پر
کھوپڑیوں اور ہڈیوں کا پُشتہ ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

گھڑی کے چہرے پر
وقت عفریت بن جاتا ہے
میں اپنے دل سے کہتا ہوں
"موت آگے ہے۔ ٹھہر جاؤ!"
میں اس آواز پر غور کرتا ہوں
اور اسے نظر انداز بھی کرتا ہوں
خاموشی کے اس کنارے پر کھڑا
میں ہلکے سے مسکراتا ہوں
میرے قہقہوں کے ساتھ سُر ملا کر
مُردے گاتے ہیں۔

Digitized by srujanika@gmail.com

شہر

میری حد کے اس پار
میری آوازوں کے بازگشت کے
دوسری جانب
ایک شہر بسا ہے
وہ شہر کبھی میرا تھا
وہاں چھوٹے چھوٹے کمروں میں
ہم گھسے رہتے تھے
اپنے اپنے محور پر چلتے رہتے تھے

فولاد کے درختوں پر
برقی قمقمے پھولوں کی طرح چمکتے تھے
ہمارے دماغ کی چھوٹی لیس
سمنٹ کی بھول بھلیاں میں
آنکھ مچولی کھیلتی تھیں
سڑکیں سمندر کا رنگیں فرش تھیں

Digitized by srujanika@gmail.com

اور بجلی کے کھمبے
اُن گِنت لہروں کے بھنور !
ہمارے محبوب شہر ممنوع نے
ہمارے خوابوں کو پناہ دی
ہم نے دیواروں پر لکھیں
اپنے شباب کی داستانیں
ہم نے کھڑکیوں پر سجائی
صبح کی دھوپ اور تاروں کی روشنی
ہم نے برقی قمقموں کی تاکید کو
نظر انداز کر دیا
زندگی کی رنگین تصویروں کو
اپنے پُراسرار بند کمروں میں دیکھا

عمر آگے بڑھی
ہم نے اپنی راہیں چُن لیں
بہت سے کھو گئے
کچھ سبز روشنی کو پار کر کے
آگے نکل گئے

Digitized by srujanika@gmail.com

کچھ سُرخ روشنی پر ٹھہر گئے
دوسرے
شیشے اور فولاد کے ابدی دھارے میں
کھو گئے
اور بہت سے بکھر گئے
اجنبی علاقوں کے کرائے کے مکانوں میں

اس شہر کو پہچاننا اب مشکل ہے
اس کا روپ نیا ہے
سڑکوں کے نام نئے ہیں
پُرانے مکان نیلام ہو چکے ہیں
پتے بدل چکے ہیں
پُرانے چہرے پہچانے نہیں جاتے
اتوار کے دن شہر کے چوک میں
سناٹا رہتا ہے
آخری بس جا چکی ہے
ہر طرف خاموشی ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

آدھی رات کو

کسی کی چیخ سن کر
اچانک میری آنکھ کھل گئی
کس کا بچہ پیدا ہوا ؟
یا یہ آدھی رات کی چیخ تھی ۔ ؟
کیا یہ میرا ماضی تھا ،
جو مجھے سزا دینے آیا تھا
مجھے معلوم نہیں
میرا گناہ کیا ہے ؟

کوئی دُور سے مجھے آواز دیتا ہے
میں وقت کے لاتمناہی زینوں سے اُتر کر
فراموشی کی ریت پر
اپنے زخموں کے نشان بنا دیتا ہوں
میں شکستہ قبرستان کے
دروازے کھول دیتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

اور ایک بار پھر
اپنے خفیہ راستے پر آجاتا ہوں

اس راہ پر کوئی نہیں ہے
یہ اجنبی ریگستان ہے
جہاں مجھے کسی سے اتفاقیہ ملاقات کی
توقع ہے
وہاں ریت پر
کسی کے قدموں کے نشان نہیں
سب طوفان نے مٹا دیے
اور اپنی حدود میں
طوفان خود کھو گیا !

میلوں تک لاشیں
پتھروں کے نیچے دبی ہیں
مجھے ان کی تلاش ہے
یہ میری محرومیاں اور مایوسیاں ہیں
ادھوری محبّت

Digitized by srujanika@gmail.com

اور بے مقصد اُڑانیں
یہ ہیں میری شکست کے لمحے
ان میں وہ عورتیں ہیں
جنھیں میں نے خوابوں میں دیکھا تھا
خواہشوں کی راکھ کے
ڈھیر پر ڈھیر ہیں
شکستہ مکان
بجھی ہوئی شمعیں
خالی پنجرے
اور اپاہج جسم کی بیسود کوششیں !

چکّردار ٹیڑھے میڑھے راستے
ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے
میں اپنے چورستے پر آجاتا ہوں
اور یادوں کی ساکت یادگار ،
پتّھر کی مورت میں مل جاتا ہوں
بغیر پلکیں جھپکائے ہوئے
اس کے اندر دیکھتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

۲۔

شاید میں کسی دوسری سرزمین پر
دوسرے شہر میں آگیا ہوں

کبھی اس سرزمین کی حدود میں
رنگ جھلملاتے ہیں
بجلی آسمان میں کوندتی ہے
قبرستان جاگ اُٹھتا ہے
اور کروٹ بدلتا ہے
وہ چونکتے ہیں
لیکن میں بے حس و حرکت
اس مورت کے قریب جما کھڑا ہوں
کہنے کی ساری باتیں
پتّھر کے ہونٹوں میں اَن کہی رہ جاتی ہیں

اچانک کسی کی چیخ نے
مجھے جگا دیا
کیا یہ پتّھر کی مورت کی
چیخ تو نہیں تھی ۔ ؟

Digitized by srujanika@gmail.com

خواب

میں نے رات ایک خواب دیکھا
ایک فاختہ آئی
اور میرے ہاتھوں میں
ایک رنگین خوبصورت پھول چھوڑ گئی

میرے بستر کے قریب
میرے ذہن کی اَن گِنت خواہشیں
ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی
سوتی رہیں
جیسے لڑکیوں کی قطاریں
وہ اُٹھیں اور سو گئیں
رات گہری ہو گئی
گھنے پتّوں
اور اُلّو کی آنکھوں میں !

Digitized by srujanika@gmail.com

بڑ کی کسی شاخ سے
ایک چڑیا میری طرف دیکھتی ہے
میں یہ سوچتا ہوں
وہ اتنی بڑی ہو جائے گی
کہ اس کے وجود پر یقین نہیں آئے گا
وہ گِدھ کے برابر ہو جائے گی
اور میری آنکھوں کی پُتلیاں نوچے گی

پہاڑیوں کے اُس پار
مجھے چاند کی تلاش تھی
بہت سی پہاڑیاں ہیں
ٹوٹی پھوٹی، اوبڑ کھابڑ
شکستہ چٹانوں اور
مندروں کے کلس کے اوپر
کئی گرمیوں کی خاموش رات
اور اَبدی خاموشی !

بے رنگ آسمان میں
چاند چاقو کی طرح لگتا ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

۷۵

صبح کے تارے
ایک ایک کرکے
خودکشی کرلیتے ہیں !

میں نے پھولوں سے لدا ہوا جنگل دیکھا
سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی بیلیں
پھولوں کی پنکھڑیاں زبانوں کی طرح نکلی ہوئی
تنہائی کا بوجھ اور زیادہ بڑھ گیا
رات کی آخری روشنی
سوراخوں میں کھو گئی
سیاہ پھول اور تتلیاں
مُردہ، بے حس و حرکت بکھری پڑی ہیں

چڑیوں کے جُھنڈ میں
ہاتھ پھولوں کی طرح کھلے ہیں
ساری رات
میں دوسروں کے خوابوں میں
اپنی ذات کو تلاش کرتا ہوں !

Digitized by srujanika@gmail.com

مورث

اس نے اپنی تحریر میں
میرا نام لکھا
حروف کو ترتیب دی
اور ان میں زندگی پیدا کی
میری پیدائش کے تصدیق نامے میں
عمر، زائچہ، اور وقت لکھا
اس نے مجھے
راہِ عمل، زادِ راہ، اور مستقبل دیا

اس کی ہدایت کے مطابق
میں مندر جاتا ہوں
وہاں سر جھکاتا ہوں، پیر چھوتا ہوں
منتر پڑھتا ہوں
مایا کے لاکھوں نام دہراتا ہوں
چڑھاوا چڑھاتا ہوں
پرنام کرتا ہوں
عبادت کی ساری رسوم ادا کرتا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

اکثر میں واپس آجاتا ہوں
اس کا ہاتھ پکڑ کر
چلنے کی کوشش کرتا ہوں
چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیرے میں
ایک تارے کو تلاش کرتا ہوں
وہ تارا ابھی وہی ہے
اور ٹوٹا ہوا تارا ابھی وہی !
میں اپنا ہاتھ بڑھا کر
اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہوں
میرا ہاتھ خلا میں رہ جاتا ہے
میری چیخیں بازگشت بن کر
رہ جاتی ہیں

دھیرے دھیرے
جب سمندر کی لہریں بے قابو ہو جاتی ہیں
میں اسے مارنے کی ٹھان لیتا ہوں
چتا کی آگ ہاتھ میں ہے
میں اسے تلاش کرتا ہوں
سڑکوں، کھیتوں اور آسمان میں

Digitized by srujanika@gmail.com

اپنے شباب کی شکستہ حدود میں
اپنے بے اثر غصّے کے
کھوکھلے پن ہیں !

اچانک وہ آسمان سے بڑا
عفریت معلوم ہوتا ہے
اس کی آنکھیں سورج ہیں
وہ میرا محاصرہ کر لیتا ہے
مجھے نگل جاتا ہے
میرے ہاتھ مفلوج ہو جاتے ہیں
اور سمندر خشک ہو جاتا ہے۔

وہ ایک کمرہ بن جاتا ہے
اور مجھے اپنے اندر بند کر لیتا ہے
میں اس کے پیر چھوتا ہوں
اور منتر پڑھتا ہوں
اور اسی آگ میں
اپنی ذات کو جلا دیتا ہوں
اسی بند کمرے میں !

Digitized by srujanika@gmail.com

دیوی

رات کے اک ویران لمحے میں
تم مرے سامنے آتی ہو
تم میرے من مندر کی دیوی ہو
میری باطنی خواہشات
میرے خون اور میری رگوں ،
اور میرے جسم اور گوشت پر
تمہاری حکمرانی ہے
تمہارا آسن ہیں
میری مجبور تمنائیں
تمہارے مندر کا ستون ہیں
میری شکست خوردہ آرزوئیں
آدھی رات کے ڈراؤنے سپنوں کے درمیان
تمہیں مندر میں بٹھایا گیا
شہر کی ممنوع گلیوں میں
تمھاری پوجا ہوتی ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

غلاموں کی منڈیوں کی
نیلامی بولیوں میں
تمھاری آوازیں گونجتی ہیں

یہ میرے انتظار کی آخری رات ہے
ڈرامے کے آخری ایکٹ میں
ہیرو قتل کر دیا جاتا ہے
تمہارے جانے پہچاننے چاہنے والے
فرار ہو چکے ہیں
مندر میں کوئی پروہت نہیں
سمندر میں کوئی لہر نہیں
چاندنی رات اور مسکراہٹوں میں سے
کچھ باقی نہیں ہے
مندر کا آنگن ویران ہے
ہر چیز پر خاموشی طاری ہے
آج رات یہاں کوئی نہیں ہے
میں تمھارے انتظار میں
ٹہل رہا ہوں

Digitized by srujanika@gmail.com

تمھارے وجود کے دروازے کے سامنے
میں تنہا کھڑا ہوں
میں تمھارا آخری سپاہی ہوں

جب مُردہ روحوں سے
تمھاری گفتگو ختم ہو جائے
تو مرے سپنوں میں آجاؤ
اپنے چاندی کے گھنگھرو بجاتی ہوئی
چھم چھم کرتی ہوئی
آج سب کچھ ختم ہو جائے
مندر خاک میں مل جائے
راتیں جسم کی چتا میں جل جائیں
نظر، آواز اور صورت کی
تاریکی میں
ہر شے ڈوب جائے
تمھارے ہاتھ آکٹوپس[۵] بن کر
مجھے کچل دیں

۵۔ آکٹوپس ۔ جکڑنے والی شکاری بحری مخلوق

Digitized by srujanika@gmail.com

تمھارے پیر شکنجے بن کر
مجھے جکڑ لیں
تمھاری چھاتیاں ناگ پھنی بن کر
میرے ہاتھوں کی دس پنکھڑیوں کو
چیر دیں
تمھارا جسم
بھربھری ریت بن کر
مجھے نگل لے!

Digitized by srujanika@gmail.com

پتہ

وہ کیا دن تھا ؟
آسمان امکان سے خالی
بدرنگ بادلوں کے لاشے
دریا سے توقع معدوم
ڈراؤنے خوابوں کی شکستہ پرچھائیاں
سمندر میں تیر رہی تھیں
قربت کی تنہا راتیں
نیند سے محروم
جوشیلی دیویوں کی
بیزار خواہشیں
ڈراؤنے خوابوں میں کھوئی ہوئی
چھوٹے بے سہارا چہرے
صبح کے آسمان میں تیرتے ہوئے
بے نشان ہو گئے
زندگی کی بیسود تلاش میں
مکان کے بالائی حصّے پر

Digitized by srujanika@gmail.com

ایک تنہا پرندہ
اپنے پر پھڑ پھڑاتا ہے ۔

یہاں بہار نہیں ہے
یہ سنسان جزیرہ ہے
جہاں جلاوطن آدمی رہتے ہیں
چار دیواریں
اس مکان کا پتہ دیتی ہیں
بستر پر لاش پڑی ہے
تھکی ہوئی صلاحیتیں
اور تمام معکوس خواہشیں
غیر فطری جنسی لذّت کی
خوابوں کی طرح
ہر چیز منتشر اور غیر یقینی ہے
یہ بکھری ہوئی زندگی کی
بے رنگ شام ہے

یہ عشقیہ خط کس کے لیئے ہے ؟
لفافے پر کس کا پتہ ہے ؟

Digitized by srujanika@gmail.com

مُردہ آدمی اسی طرح
خود کو فریب دیتے ہیں
اُلجھن اور بے یقینی کے لمحوں میں
رُوحیں واپس آجاتی ہیں
دو پھیلے ہوئے ہاتھ
درمیان میں رک جاتے ہیں
بھوتوں کے ترانے
خلا میں گونجتے ہیں
یہاں پکارنے والا کون ہے۔ ؟
اور پکار کا جواب کون دے گا۔ ؟

Digitized by srujanika@gmail.com

وہ دن

دن اڑ گئے
قطاروں میں
پرندوں کے پروں پر
راتیں مرگئیں
پہاڑوں سے سر ٹکرا کر
ٹمٹماتے ہوئے تاروں کے ہجوم میں
روشنیاں ڈوب گئیں
وقت کے دوراہے پر
آج میں پلٹ کر دیکھتا ہوں
اور اپنے ماضی کو ناپتا ہوں
ایک خالی پیالے سے

میں نے باندھ رکھا اپنے شباب کو
اپنے جسم کے شیشے کے گھر کی
چار دیواری میں
میں نے اپنے ذہن کے چاروں طرف

Digitized by srujanika@gmail.com

پتھر کی دیوار بنائی
میں نے اپنی بیقرار زندگی کو
پنجرے میں بند کیا
اور احتیاط کے ساتھ
اسے سمندر کی گہرائیوں میں
ڈال دیا

سمندر میں طوفان آئے
اور گزر گئے
ریت ، ریت کے ڈھیر پر جمع ہوئی
آسمان کے رنگ مل کر قوسِ قزح بن گئے
بہت سے لمحے مر گئے
اور اس پار جی اُٹھے
ایسی ہی ایک گھڑی میں
میں نے اپنی ذات کو
وقت کے بھنور میں
اور آدمیوں سے بھرے بازار میں
کھو دیا

Digitized by srujanika@gmail.com

کسی نے میرے کانوں میں کچھ کہا
اچانک کسی نے مجھے چھوا
کسی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا
میں منتر پڑھتے پڑھتے رک گیا
حیرت میں آکر
ٹوٹے ہوئے شیشے
کھلے گھر
اور خشک ریت میں
اپنا چہرا دیکھا

آج میں خون میں لتھڑا
سمندر کے کنارے پڑا ہوں
وہ دن گزر گئے
میرے مٹھیوں میں
صرف خلا کا کچھ حصّہ ہے
آسمان میں کوئی سایہ نہیں
ہر چیز خاموش اور بے حس وحرکت ہے
شیشے، ریت اور پتھر پر
خون جم رہا ہے

Digitized by srujanika@gmail.com

کھڑکی

ایک دن اور گزر گیا
سڑکوں پر اکیلا کھڑا
دونوں طرف کھڑکیوں میں
جانے پہچانے چہرے
تلاش کرتا ہوں
کہاں ہیں وہ ؟
جو
سنسان سیڑھیوں پر
سمندر کے کنارے
اور ویران گلیوں میں
آتی تھیں !
کہاں ہیں وہ ؟
جو میرے پاس
خاموشی سے آتی تھیں
عمر کے راز کو سمجھنے کے لیے ؟

Digitized by srujanika@gmail.com

کہاں ہیں وہ ؟
جنھوں نے
پڑوسیوں کی سوالیہ نظروں
اور ان کے قہقہوں کی
پروا نہ کرتے ہوئے
اپنے آپ کو میرے حوالے کیا
ان کی مسحور آنکھوں میں خواب تھے
ان کے لڑکیوں جیسے دماغ
پنجرے کی طرح تھے

ایک باب ختم ہوگیا
وہ سب چلی گئیں
کھوگئیں
سحر ختم ہوگیا
پریاں رخصت ہوگئیں
کنواریاں پاؤں میں مہندی رچا کر
بیاہ کی مقدّس آگ کے قریب گئیں
اور گھر گرہستی میں کھوگئیں

Digitized by srujanika@gmail.com

میرے سحر بے اثر ہو گئے
ماضی اور مستقبل کھو گئے
پنچھی ڈر کر کہیں اور چلے گئے
محبت کے وعدے پورے نہ ہو سکے

میری راہ ختم ہو رہی ہے
کھڑکیوں سے جھانکتے چہرے
پتنگ کی طرح تیرتے ہوئے
میرے کمرے کے چھوٹے آسمان سے
گزرتے ہیں
آنکھیں تاروں کی طرح چمکتی ہیں
چھوٹے چھوٹے قہقہے
ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھرے ہیں
بستر پر مُردہ جسم پڑے ہیں
بہت سے اندھے انجانے آدمی
میرے قریب کھڑے ہو کر
کھڑکیوں کی طرف دیکھ کر
میری طرح خواب دیکھتے ہیں !

Digitized by srujanika@gmail.com

یہ راہ ختم ہو جائے گی
وقت محدود ہو جائے گا
میری ڈائری میں رکھے
ٹھکرائے ہوئے پھول
مُرجھا جائیں گے
جسم کی دکانیں بند ہو جائیں
مجھے محبّت آسان قسطوں میں
نہیں ملے گی
اس تاریک فٹ پاتھ پر
کوئی نہیں ہوگا
سڑک کے دونوں طرف
کھڑکیاں
ایک ایک کر کے بند ہو جائیں گی
ایک اور دن گزر جائے گا
گزر جانے دو !

Digitized by srujanika@gmail.com

آخری حدیں

رات کی عمر نہیں
وقت کا نام نہیں
آسمان اعتماد کے ساتھ چھُوا جا سکتا ہے
تاروں سے خاموشی میں گفتگو ہو سکتی ہے
اندھیرے کو راز بتائے جا سکتے ہیں
سمندر کی چمکتی چٹانوں پر لیٹا جا سکتا ہے

صبح کی دھوپ
ایک جانی پہچانی بیمار عورت کے
بستر پر لیٹ گئی
جنسی فعل میں مصروف
مَرد اور عورتیں
ادھوری محبّت کے خوف سے
اپنے تابوت کے اندر بیقرار ہیں
اسی لمحہ
پرچھائیاں کھڑکیاں پار کر کے
خالی کمرے میں بھر گئیں

Digitized by srujanika@gmail.com

شہر لُٹ گیا
پیدل فوج نے
چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا
سات گھوڑوں کا رتھ
ایک سڑک سے دوسری سڑک تک
گزر گیا
شہر کے محافظ باغی ہو گئے
رومان زدہ نوجوان
صرف قرار دادیں منظور کر کے
احتجاج کرتے ہیں
دیکھو! اس وقت تنہائی کتنی چوکنّی ہے
دوپہر کے بھیس میں
وقت کے دونوں سرے ملے

مجھے نیزہ دو
مجھے ڈھال دو
مجھے تلوار دو

Digitized by srujanika@gmail.com

میرے کمانڈارو! میرے سپاہیو!
میرے ساتھ آؤ!
آخری سرحد پر
میرے ماتھے پر
چندن اور سندور کا
ٹیکا لگا دو
اور منتر پڑھو!

میرے ساتھی کہاں ہیں؟
اس سڑک پر کوئی نہیں ہے!
میرے سپاہی بھاگ گئے ہیں
مندر سنسان ہے
سونے کی مورتی کس نے چرائی؟
جواہرات سے آراستہ تخت کہاں ہے؟
پروہت کہاں ہے؟
میرے ہاتھ کیوں برف سے جمے ہیں؟
کوئی ہے یہاں؟ جو میرے ہاتھوں کو سہارا دے
میرے پاس گنگا جل لاؤ

Digitized by srujanika@gmail.com

شہر ایک شمشان بن چکا ہے
صندوق میں مُردوں کے ڈھانچے ہیں
آؤ ! نا آسودہ رُوحوں کی نجات کے لیے
مل کر پرارتھنا کریں

اندھیرے کی آنکھیں نہیں
وقت کے سائے نہیں
سمندر کے کنارے ریت پر
اَن گِنت پیروں کے نشان ہیں
اچانک سویرا ہوگیا
ایک بار پھر رات کا انتظار !

Digitized by srujanika@gmail.com

جگن ناتھ پرساد داس

مرکز معاشی ترقی دہلی

Digitized by srujanika@gmail.com

"میرے پاس کئی نقلی چہرے ہیں
دن، رات اور شام کے لیے
عارضی مسرت کے لیے
المیہ ڈرامے کے آخری منظر کے لیے
مہمانوں اور ہم سفروں کے لیے"

(جگن ناتھ پرساد داس)

PRICE Rs. 10.00

Digitized by srujanika@gmail.com